© rasailojaraid.com

مولانا عبدالقیوم حقانی

عورت کی امارت کا مسئلہ

اپنے ایک بزرگ سے بچپن میں ایک جملہ سنا تھا الفاظ تو یاد رہ گئے تھے مگر اس کا صحیح مصداق اور مؤثر تعبیر سمجھ میں نہیں آرہی تھی یا وہ ایک واقعاتی حقیقت بن کر مشاہدہ میں نہیں آیا تھا۔ وہ فرماتے تھے کہ

"ہمارے دینی حلقوں کو یہ بات خصوصیت سے نوٹ کرلینی چاہیئے کہ جب سیاسی مصلحتوں کے تحت خاموشیاں اختیار کرلی جاتی ہیں تو بعض اوقات وہ ایسے حالات پیدا کردیتی ہیں کہ زبانیں ہمیشہ کے لیے گنگ ہو جاتی ہیں مگر خدا تعالیٰ اپنی شریعت کے بارے میں بڑا غیور ہے۔"

مسلمانوں پر عورت کی حکمرانی دین کے قطعی اور مسلمہ اصولوں قرآن وسنت کی تعلیمات اور نبوی ہدایات کی روشنی میں قطعاً ناجائز ہے۔ مگر گذشتہ کئی سالوں سے سیاست کے جنون میں مذہبی اقدار اور مذہبی تعلیمات کو ہی بازیچۂ اطفال بنادیا گیا ہے اور اب تو اہل دین کی اکثریت بھی سیاسی مصالح ہی کے تحت اس قطعی منکر سے اغماض کی پالیسی اختیار کرتی چلی جارہی ہے۔ مگر یاد رہے کہ جس طرح بے دین سیاست دانوں مفاد پرست حکمرانوں کے تمام ناجائز وطیرے اور ظالمانہ ہتھکنڈے خدا کے نزدیک جرم قرار پائیں گے اسی طرح اہل دین کی سیاسی مصلحت آمیز خاموشی اور مفاد پرستانہ سکوت واغماض بھی اللہ کے ہاں جرم ٹھہرے گا۔

مذہبی بے ضمیری کا یہ عالم ہے کہ جو لوگ کل تک گلی گلی میں لوگوں کو پیغمبرؐ کا یہ قول سناتے پھر رہے تھے کہ عورت کی حکومت میں جینے سے زیر زمین دفن ہوجانا بہتر ہے وہی محترمہ بے نظیر کا جھنڈا اٹھائے اور ان کا نعرہ لگاتے پھرتے نظر آرہے ہیں اور بے شرمی کا یہ عالم ہے کہ اسی کو اقامت دین، اسی کو انقلاب مصطفیٰؐ اور اسی کو اسلامی سیاست کا جہاد قرار دے رہے ہیں۔

قرآن وسنت کی تعلیم یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے سامنے سیاسی امامت وامارت اور سیاسی قیادت کے لیے انتخاب کا سوال آئے تو وہ بحالتِ مجبوری بھی ایک فاسق مسلمان مرد کا انتخاب تو کرسکتے ہیں لیکن ایک عورت کا انتخاب نہیں کرسکتے، اگرچہ زاہدہ، عابدہ اور عالمہ ہی کیوں نہ ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر تمہارے اوپر ایک نکٹا حبشی بھی امیر بن جائے تو اس کی اطاعت کرنا مگر یہ نہیں فرمایا کہ اگر ایک عورت بھی تمہاری امیر بن جائے اس کی اطاعت کرنا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملک میں اسلام کا حلیہ بگاڑنے والوں کا ایک گروہ تو جدید تعلیم کی بدولت بہت پہلے پیدا ہو چکا ہے اور اس کی کوششوں سے مذہب کے خلاف آئے دن نت نئے فتنے اٹھتے ہی رہتے تھے مگر جب سے دین سے منسوب ہمارے بعض سیاست بازوں نے اس میدان میں قدم رکھا ہے تو انہوں نے تحریف مذہب کے لیے ایسے ایسے کارنامے سرانجام دینا شروع کر دیئے ہیں کہ دوسرے تمام شاطروں کو انہوں نے مات دے دی ہے۔ مغرب زدہ طبقہ جو تحریف کرتا ہے وہ ہے تو دین اسلام کے خلاف سازش ہی سازش مگر ایک پہلو اس کا غنیمت ہے کہ اس سے تحریف کے لیے کسی مستقل فتنے کی بنیاد نہیں پڑتی مگر ان لوگوں نے تحریف کا جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگ تحریف بھی کرتے ہیں اور تحریف کے ساتھ ساتھ اس کے مستقل اصول بھی وضع کر دیتے ہیں تاکہ اس سے برابر انڈے بچے پیدا ہوتے رہیں۔ ان لوگوں کے سیاسی اغراض میں جب قرآن و سنت کے قطعی نصوص مزاحم ہو رہے ہیں تو اس کے لیے انہوں نے جھٹ سے ایک اصول گھڑ لیا کہ۔

"دین میں جو چیزیں حرام قرار دی گئی ہیں وہ تو دو قسم کی ہیں ایک تو وہ ہیں جن کی حرمت ابدی اور قطعی ہے ان کی حرمت کسی حالت میں بھی حلت سے نہیں بدلی جا سکتی دوسری وہ ہیں جن کی حرمت شدید ضرورت کی حالت میں حلت سے تبدیل ہو جایا کرتی ہے اس اصول کے تحت اُن کے نزدیک یہ بات بالکل جائز ہے کہ جب ان کو شدید ضرورت پیش آجائے وہ دین کی حرام کی ہوئی چیزوں میں سے جن کی حرمت وہ خود تسلیم اور اس سلسلے کے قطعی نصوص کا اقرار بھی کرتے ہیں) کسی چیز کو جائز قرار دے لیا کریں۔"

یہ اصول ان لوگوں کو پاکستان کی وزیراعظم بے نظیر بھٹو، بنگلہ دیش کی وزیراعظم خالدہ ضیاء اور ترکی کی وزیراعظم کی سربراہی اور سیاسی قیادت کے جواز کے لیے گھڑنا پڑا۔

قرآن و سنت نے حرمتوں کے درمیان نہ تو ابدی اور غیر ابدی، قطعی اور غیر قطعی کے قسم کی کوئی تفریق کی ہے نہ "شدید ضرورت" کے تحت کسی حرمت کے حلت میں تبدیل ہو جانے کا فتویٰ دیا ہے یہ دونوں باتیں اِن حضرات کے ذہن کی اپنی ایجاد ہیں اور مقصود ان کی ایجاد سے شریعت کی ان پابندیوں سے پیچھا چھڑانا ہے جو قرآن و سنت کی واضح نصوص اور قطعی ہدایات ہیں مگر سیاسی حوصلوں اور سیاسی مقاصد کے حصول کی جدوجہد کے ساتھ اب عملاً ان کو نباہنا ان کے لیے ممکن نہیں رہا —— قرآن و سنت میں تو واضح کر دیا گیا ہے کہ ہر حرام سے بچو ، البتہ اگر در اکراہ یا اضطرار کی حالت پیش آجائے تو اس صورت میں آدمی کو اس بات کی رخصت ہے کہ وہ کسی حرام سے فائدہ اٹھائے بشرطیکہ نہ تو اس حرام کا خواہشمند ہو اور نہ اس حد سے آگے بڑھے جو رفع ضرورت کے لیے ناگزیر ہے۔

دینی علوم جاننے والے ادنیٰ طالب علم بھی اس بات کو جانتے ہیں کہ اکراہ یا اضطرار کے معنیٰ "شدید ضرورت" کے نہیں ہیں شدید ضرورت تو آدمی کو سردیوں میں گرم چادر کی اگرمیوں میں برف کی غریب کو روپے کی اور خوشحال کو کوٹھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور کار کی پیش آتی رہتی ہے مگر یہ ضرورتیں اس اضطرار میں داخل نہیں ہیں جس میں شریعت نے کسی حرام سے فائدہ اٹھا لینے کی اجازت دی ہے۔ اکراہ یا اضطرار کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی کو بے بسی کی ایسی حالت پیش آ جائے کہ دو حرام چیزوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے سوا کوئی اور مفر باقی ہی نہ رہ جائے اس صورت میں شریعت بلاشبہ اس بات کی رخصت دیتی ہے کہ آدمی دونوں حراموں میں سے اس حرام سے فائدہ اٹھائے جو نسبتاً اور مقابلۃً اہون ہے مگر حرام اور حرام کے درمیان یہ امتیاز ابدی اور غیر ابدی یا قطعی اور غیر قطعی کی تقسیم کی بنا پر نہیں ہے اگر ان کے زعم باطل کے مطابق شریعت کی کوئی حرمت در "شدید ضرورت" کی حالت میں "حلت" میں تبدیل ہو جاتی ہے تو پھر قرآن کو غیر باغ ولا عاد کی شرط لگانے کی کیا ضرورت تھی؟ حرمت حلت میں تبدیل نہیں ہو جاتی وہ بدستور باقی رہتی ہے البتہ بقدر سد رمق اس سے جان بچا لینے کی رخصت حاصل ہو جاتی ہے یہ رخصت بہرحال رخصت ہے عزیمت نہیں ہے اس وجہ سے اگر کوئی شخص اضطرار میں کسی حرام سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو فائدہ اٹھائے لیکن اس کو بہرحال یہ حق نہیں حاصل ہو جاتا کہ وہ اس حرام کو حلال قرار دے کر ساری دنیا کو دعوت دینا شروع کر دے کہ آؤ لوگو! ایسی اضطرار پیش آ گیا ہے لہٰذا اب حرام حلال ہو گیا ہے اس کا تعاون کرو اس کو برقرار رکھو اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اضطرار بھی کوئی ایسی حالت نہیں ہے جو خود اپنے دونوں سے اپنے اوپر مسلط کر دی جائے۔

اضطرار اور اکراہ کو "شرعی ضرورت" سے تعبیر کرنا محض تعبیر کی عامیانہ اور جاہلانہ غلطی نہیں ہے بلکہ اسلامی شریعت کے خلاف یہ دیدہ دانستہ ایک ایسی شرارت ہے اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ فتنہ بن کر پورے شرعی نظام کی بیخ کنی کر سکتی ہے آج ہمارے ملک میں جتنے بھی کام خلاف شریعت ہو رہے ہیں ان سب کے جواز کی دلیل اس فرسودہ اصول سے فراہم ہو سکتی ہے، آئندہ جس حرمت کا بھی دروازہ کھولنا ہو اس کے لیے یہ کنجی بے خطا ثابت ہو گی۔

ہم یہاں تھوڑی دیر کے لیے اس واضح ترین فرق کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں جو "شدید ضرورت" اور "اکراہ و اضطرار" کے درمیان ہے ہم یہ بھی فرض کر لیتے ہیں کہ ان حضرات نے شدید ضرورت سے اکراہ و اضطرار ہی کو مراد لیا ہے یہ فرض کر کے ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ جناب! موجودہ حالات میں آخر وہ کیا اضطرار لاحق ہوا کہ شریعت کی ایک قطعی حرمت کو حلت میں تبدیل کرنا پڑا اگر آپ کی شدید سیاسی ضرورت بھی تھی تو حرمت کو حرمت رہنے دیتے منکر کو منکر قرار دیتے مگر حرمت کو حلت سے تبدیل کرنے کا حق آپ کو کس نے دیا ہے، اگر پیپلز پارٹی ایک عورت کی صدارت امارت اور قیادت کا فیصلہ کر لیتی ہے تو کیا ان کا یہ فعل کوئی شرعی حجت بن سکتا ہے پھر آپ کو کیا ہوا جناب! کہ عورت کی حکمرانی اور قیادت کی حرمت کو حلت میں تبدیل کرنا پڑا —— اگر یہ اضطرار ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ مروجہ سیاست میں حصہ اور اس کے شرعی ممنوعات سے استفادہ بھی آپ کے نزدیک ایک ایسے وجوب شرعی کی حیثیت رکھتا ہے جس سے محروم ہونے کے مقابل میں شریعت کے ایک قطعی حرام کو حلت میں تبدیل کر دینا اہون ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا خاتون کی حکمرانی کے جواز کے قائلین کا موقف یہی ہے ؟ اگر یہ موقف نہیں ہے اور ایک مسلمان کا یہ موقف نہیں ہونا چاہیئے تو پھر از روئے شرع یہ وہ اضطرار نہیں ہوا جو کسی حرام کو آپ کے لیے جائز قرار دے دے ۔

ایک اضطرار یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پی پی پی سمیت ملک کی سیاسی جماعتوں کے اندر سرے سے کوئی مرد ہے ہی نہیں اس وجہ سے عورت کے انتخاب اور اس کی سیاسی قیادت پر مجبور ہونا پڑا ہو، تو اس اضطرار کے تحت جس کے تحت بے نظیر صاحبہ کو گوارا کر لیا، پی پی پی ہی کے کسی مرد فاروق لغاری سے لے کر آصف زرداری تک کو گوارا کر لیتے آخر وہ گنہگار ہی ہیں کافر تو نہیں ہیں ؟

اگر کسی کو ایسی مجبوری پیش آجائے کہ اس کے سوا چارہ نہ ہو کہ ایک عالمہ، عابدہ وزاہدہ عورت کی اقتداء میں نماز ادا کرے یا ایک گنہگار مسلمان مرد کی تو آخر وہ کیا کرے گا؟ عابدہ، زاہدہ عورت کو امام بنائے گا یا گنہگار مرد کو؟ اسلامی شریعت کی رو سے بے نظیر بھٹو تو درکنار حضرت رابعہ بصریہؒ کے پیچھے بھی ایک مرد کی نماز نہیں ہو سکتی۔ لیکن ایک فاسق مسلمان مرد کے پیچھے ہو سکتی ہے ۔یہی صورت حال بلا اختلاف سیاسی امامت کی اسلام میں ہے کہ ایک فاسق مسلمان تو مسلمانوں کا امیر، صدر، وزیر اعظم اور سیاسی قائد ہو سکتا ہے لیکن ایک عورت ان کی امیر نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ وہ کتنی ہی عابدہ وزاہدہ ہو۔

اس وقت ہمیں مسئلے کے سیاسی پہلو سے بحث نہیں کرنی ہے، اس وقت ہم صرف اس کے اسلامی پہلو سے بات کرنا چاہتے ہیں کہ آخر بے نظیر کی امامت، بے نظیر کی وزارتِ عظمیٰ و حکومت اور بے نظیر کی سیاسی قیادت اور دینی قوتوں کے سکوت یا حمایت میں اسلام کی بہبود کا پہلو کیا ہے ؟

بعض حضرات یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ بعض علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر اسلام کی مصلحت ہو تو عورت کو حکمران بنایا جا سکتا ہے ؟ چلیے، ہمیں تسلیم کہ بنایا جا سکتا ہے لیکن وہ اسلامی مصلحت کیا ہے جس کے لیے بے نظیر صاحبہ کا انتخاب کیا گیا ہے ۔ ہم بے نظیر صاحبہ کے ذاتی دین وایمان، عقائد، مذہب، تقویٰ و تدین اور ظواہر شریعت کے احترام سے کوئی بحث نہیں کرتے اس لیے کہ ان چیزوں کو اندھے بھی دیکھ سکتے ہیں۔ ہم صرف یہ پوچھتے ہیں کہ اس نے اپنے دور اقتدار، بلکہ اپنی ساری زندگی میں کوئی ایسا کام کیا ہے جو اس بات پر دلالت کرے کہ وہ واقعۃً اسلام کی خدمت کے جذبہ سے کیا گیا ہے اس معاملے میں ان کی وضعداری کا تو یہ عالم ہے کہ الیکشن کے زمانے میں بھی جس میں رندان قدح خوار زاہدانِ شب زندہ دار بن جاتے ہیں کبھی یہ غلطی نہیں کی کہ بھول کر بھی اسلام کا نام لے لے، البتہ اس سے قبل ڈنکے کی چوٹ علی الاعلان قرآن وسنت کے حدود وقصاص اور اسلامی تعزیرات کو ظالمانہ اور وحشیانہ قوانین قرار دیتی رہی ہیں۔

اس کی شکایت ہم سے زیادہ خود انہی حضرات کو پہلے بھی تھی اور دبی زبان سے اب بھی ہے جو خاتون کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکمرانی کے مسئلہ پر سکوت اختیار کر چکے ہیں یا پھر حمایت کا ہاتھ بڑھا کر اسے مسند اقتدار پر لانے کا کردار ادا کر چکے ہیں اور اب اس کے استحکام کا فریضہ انجام دے رہے ہیں ۔۔۔ اخبارات میں بعض تحریری اور بعض مذہبی سیاسی زعماء کے ایسے بیانات بھی آ رہے ہیں اور بے نظیر کی وفاداری کا جوش اس زور سے ابھرا ہے کہ اس ملک میں اسلام کا قیام تنہا اب ان ہی کے دم سے وابستہ ہو کر رہ گیا ہے ۔

فانا للہ وانا الیہ راجعون

یہ حضرات اضطرار و اکراہ کے علاوہ ایک دلیل یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ ملکہ سبأ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائیں تو اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام پر یہ وحی نہیں اتری کہ عورت کا بادشاہ بنانا ٹھیک نہیں ہے ۔

اول تو ان بوالفضولوں سے کوئی یہ پوچھے کہ جب عورت کی بادشاہت پر یہ سبائی حجت تمہارے پاس موجود تھی تو پھر اضطرار کی آڑ میں پناہ لینے کی ضرورت کیا تھی ، پھر تو خم ٹھونک کر یوں کہنا تھا کہ جس طرح سبا والوں نے ملکہ بلقیس کو اپنی ملکہ بنایا تھا اسی طرح ہم محترمہ بے نظیر کو اپنی ملکہ بنا رہے ہیں ۔

دوسری یہ کہ یہ لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت کے پیرو ہیں یا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے ؟ ہم نے مانا کہ حضرت سلیمانؑ پر ملکہ سبا کی بادشاہت کے بارے میں کوئی وحی نہیں آئی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تو عورت کی امارت کی حرمت آئی اور اس حرمت کے سب سے زوردار بیان کرنے والے ہی تھے تو حضرت سلیمانؑ کی شریعت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی ناسخ ہے یا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت کی ؟

تیسری یہ کہ حضرت سلیمانؑ پر عورت کو بادشاہ بنانے کی حرمت کی وحی تو تب آتی کہ انہیں اسرائیلی شریعت یہ حکم معلوم نہ ہوتا کہ عورت حکمران نہیں ہوتی اور وہ ملکۂ سبأ کو کہیں کا بادشاہ بنانے کا ارادہ کرتے ۔ قرآن سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ تو یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ملکۂ سبأ کا تخت و تاج سب اپنے دربار میں منگوا لیا اور خود ان کو بھی اپنے دربار میں فرمانبردارانہ حاضر ہونے کا حکم دیا اور انہوں نے ان کے حکم کی تعمیل بھی کی اس کے بعد کیا ہوا ؟ قرآن اس بارے میں خاموش ہے ۔

چوتھی یہ کہ اگر ملکہ سبأ کی بادشاہت محترمہ بے نظیر کی وزارت عظمیٰ کے لیے دلیل بن سکتی ہے تو کیا حضرت سلیمانؑ کی بادشاہت پاکستان میں مونث مغربی جمہوریت کے بجائے بادشاہت کے لیے دلیل نہیں بن سکتی ؟ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے ملک میں کوئی جمہوریت قائم فرمائی تھی یا انگریزی طرز کا پارلیمانی نظام قائم کیا تھا ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پانچویں یہ کہ توراۃ، زبور، انجیل اور انبیاءکرام کے دوسرے صحیفوں میں عورت کی حیثیت کیا بیان ہوئی ہے؟ کیا یہی کہ وہ ملکۂ سبا کی طرح حکمرانی کرے؟ ہم بنی اسرائیل کی پوری تاریخ سیدنا حضرت اسحاق تا سیدنا حضرت مسیح سے ثابت کرسکتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں عورت کی حکمرانی کا نہ صرف یہ کہ کوئی تصور موجود نہیں ہے بلکہ اس کی کامل نفی موجود ہے۔

لیکن اس جہل کے ساتھ ذرا بد دماغی ملاحظہ ہو اِن مہمل دلائل پر روزناموں اور رسائل بلکہ ملک بھر کے اخبارات میں عورت کی حکمرانی کے جواز کے قائلین ساری دنیا کو یہ چیلنج کرتے ہیں کہ کوئی ثابت کردے کہ اسلام میں عورت کی وزارتِ عظمٰی، امارت اور صدارت جائز نہیں ہے اِن محررین و مضمون نگاران سے زیادہ فقہ اور شریعت تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہدہد کو بھی معلوم تھی کہ اس نے جب حضرت سلیمانؑ کو ملکہ سباء سے متعلق رپورٹ پیش کی تو اس نے جہاں اہل سبا کی سورج پرستی کا باندازِ استخفاف ذکر کیا وہیں اسی اندازِ استخفاف میں اس بات کا بھی ذکر کیا کہ ان کے اوپر ایک عورت حکومت جمائے بیٹھی ہے۔

مجوزین حضرات کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب سابقہ حکومتوں میں عورت وزیر اور سفیر بن سکتی ہے پارلیمنٹ کی ممبر بن سکتی ہے تو ہم اگر ایک عورت کو وزیر اعظم بنا دیں تو لوگوں کو اس پر کیوں اعتراض ہے۔ یہی لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب حکومت میں مختلف قسم کے خلاف شرع امور ہو رہے ہیں منکرات کو فروغ دیا جارہا ہے۔ ریڈیو، ٹی وی پر عورت ہی عورت ہے تو آخر عورت کی حکمرانی ہی کو ایک شرعی اور دینی مسئلہ کیوں بنایا جارہا ہے۔؟

مسلمانوں کی طرف سے پھر بالخصوص اہل دین کی زبان سے اس عذر کا پیش کیا جانا انتہائی ضعف ایمان کی دلیل ہے اہلِ ایمان کا فریضہ ہر منکر کے خلاف آواز اٹھانا ہے اس سے وہ عنداللہ اس منکر کی ذمہ داریوں سے بری ہو سکتے ہیں اس دلیل کی بنا پر کہ جب بہت سے منکر ہو ہی رہے ہیں تو ایک نئے منکر کے خلاف آواز کیوں اٹھائی جائے ایک ایسی بات ہے جو زندہ ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ اہلِ دین اگر ایک منکر کے وجود کو دوسرے اس سے ہزار درجے بڑے منکر کے جواز کی دلیل بنائیں تو اس کے معنٰی یہ ہیں کہ انہوں نے شیطان کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے۔ کوئی شخص اگر نواز شریف سے ناراض ہے تو خدا کی شریعت سے بیزار کیوں ہو جائے۔ غیرتِ ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس منکر پر بھی نکیر کیجئے جو نواز شریف یا کسی بھی حکمران اور سیاستدان کی طرف سے پھیلے اور اس منکر کی بھی بیخ کنی کیجئے جو منکرات کے فتح باب کا شیطانی فلسفہ بھی اپنے ساتھ لیئے ہوئے ہے۔

© rasailojaraid.com